یہودیت کا جائزہ

عامر ثقلین

1ST EDITION

شبیتائی زیوی اور یعقوب فرینک یہودی تاریخ کے وہ دو نام ہیں جنہوں نے "مسیح موعود" کے دعووں کو محض ایک عقیدتی انحراف نہیں بلکہ ایک ہولناک اجتماعی "فتنہ" بنا دیا۔ ان دونوں شخصیات نے یہودی قوم کو تاریخ کے اس مقام پر جا کر زک دی جب وہ جسمانی اور روحانی طور پر سب سے زیادہ کمزور تھی۔

1. شبیتائی زیوی (1626–1676) وہ مسیح جس نے عمامہ باندھ لیا

الف) پس منظر اور دعویٰ

شبیتائی زیوی سلطنتِ عثمانیہ کے شہر ازمیر (موجودہ ترکی) میں پیدا ہوا۔ وہ ایک زود حس، انتہائی ذہین مگر ذہنی اضطراب (بائی پولر ڈس آرڈر کے مشابہ) میں مبتلا شخص تھا۔ اس نے قبالہ (یہودی تصوف) کی تعلیم حاصل کی اور 1648 میں، 22 سال کی عمر میں، اپنے آپ کو مسیح موعود قرار دے دیا۔

· ناتھن آف غزہ (Nathan of Gaza): یہ ایک نوجوان مبلغ تھا جس نے شبیتائی کے دعوے کو مذہبی جواز فراہم کیا۔ اس نے شبیتائی کو "مسیح بن داؤد" اور خود کو "ایلیاہو نبی" قرار دیا جس کا کام مسیح کی آمد کا اعلان کرنا تھا۔ یہ ایک کلاسک "نبی اور بادشاہ" کی جوڑی تھی۔

ب) عالمی جنون (1665-1666)

یہودی تاریخ میں اس سے پہلے یا بعد میں کبھی ایسا اجتماعی ہسٹیریا نہیں دیکھا گیا:

· پورے یہودی جہان نے مان لیا: جرمنی سے لے کر پولینڈ، مراکش سے یمن تک، راسخ العقیدہ علماء سمیت لاکھوں یہودی اس یقین کے ساتھ تیار ہو گئے کہ اب مسیحائی دور شروع ہو گا۔ لوگوں نے اپنی جائیدادیں بیچ دیں اور یروشلم جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

· شریعت کی خلاف ورزی: شبیتائی نے "مسیحائی دور" کی آمد کا اعلان کرتے ہوئے تورات کے احکامات کو منسوخ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے سوگ کے ایام کو عید میں بدل دیا، حرام کھانوں کو حلال قرار دیا، اور عبادات میں خدا کے بجائے "مسیح بادشاہ" کے نام کو شامل کروا دیا۔۔

ج) بحران اور ارتداد (1666)

عثمانی سلطان محمد چہارم نے اس ہنگامے کو سیاسی بغاوت سمجھا اور شبیتائی کو گرفتار کر کے قلعہ گیلی پولی میں نظر بند کر دیا۔

· شرط: جب اسے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو اسے موت یا اسلام قبول کرنے کا اختیار دیا گیا۔

· عظیم زوال: شبیتائی زیوی نے ازار (یہودی عبا) اتار کر عمامہ باندھ لیا اور "عزیز محمد آفندی" کا نام رکھ لیا۔

دنیائے یہودیت پر کیا گزری: یہ صدمہ محض ایک مایوسی نہیں تھی بلکہ ایک روحانی سونامی تھی۔ لاکھوں یہودیوں نے خود کو دھوکہ کھایا ہوا محسوس کیا۔ ہزاروں نے اس صدمے سے نکلنے کی بجائے اسے "الٰہی راز" قرار دیا اور خود بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس گروہ کو "دونمہ" (Dönmeh) کہا جاتا ہے، جو ظاہری طور پر مسلمان تھے مگر خفیہ طور پر شبیتائی کو مسیح مانتے تھے۔

د) فتنے کی نوعیت

شبیتائی زیوی کا فتنہ "شریعت کی منسوخی" کا فتنہ تھا۔ اس نے یہ تصور متعارف کرایا کہ مسیح کے آنے کے بعد گناہ کرنا بھی عبادت ہے کیونکہ وہ برائی کے اندر جا کر اسے پاک کرتا ہے (Redemption through Si_n) یہودی علماء اسے شیطانی عقیدہ سمجھتے ہیں۔

2. یعقوب فرینک (1726–1791) شبیتائی سے بھی زیادہ سیاہ فتنہ

اگر شبیتائی زیوی ایک المیہ تھا تو یعقوب فرینک اس المیے کا بد ترین انجام تھا۔ اس نے شبیتائی کی موت کے 50 سال بعد اس کی میراث کو اٹھایا اور اسے انتہا کی طرف لے گیا۔

الف) دعویٰ

یعقوب فرینک پولینڈ میں پیدا ہوا اور اس نے سلطنتِ عثمانیہ کے شہر تھیسالونیکی میں جا کر "دونمہ" فرقے سے تعلیم حاصل کی۔ اس نے دعویٰ کیا کہ:

- وہ شبیتائی زیوی کی روح کا حلول (تناسخ) ہے۔
- وہ "مسیح بن یوسف" کا آخری روپ ہے۔
- وہ ایک نئی تثلیث لے کر آیا: "مقدس بادشاہ" (خدا)، "مقدس خاتون" (شکینہ/خدا کی موجودگی)، اور "مسیح بادشاہ" (خود فرینک)۔

ب) "گناہ کے ذریعے نجات" کا نظریہ

یہ یہودیت کی تاریخ کا سب سے تاریک باب ہے۔ فرینک نے شبیتائی کے نظریے کو عملی شکل دیتے ہوئے یہ تعلیم دی کہ اب شریعت مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے اور نجات کا راستہ "گناہ میں غوطہ زنی" سے گزرتا ہے۔

- جنسی بے راہ روی: اس کے فرقے میں اجتماعی طور پر شریعت کی خلاف ورزی کی جاتی تھی، بشمول جنسی رسومات، تاکہ انسان گناہ کی تہہ میں جا کر اسے ختم کر سکے۔
- تورات کی توہین: وہ تورات کو "مردوں کی کتاب" کہتا تھا اور اس کے احکامات کا مذاق اڑاتا تھا۔

ج) اجتماعی ارتداد (1759)

فرینک پر راسخ العقیدہ ربّیوں نے کفر کا مقدمہ چلایا اور اسے یہودی جماعت سے خارج کر دیا (حیرم)۔ اس کے جواب میں فرینک نے کیتھولک چرچ سے رجوع کیا۔

بپتسمہ: اس نے اپنے ہزاروں پیروکاروں سمیت عیسائیت قبول کر لی اور پولینڈ کے بادشاہ سے خود کو "فرینک" (یورپی نام) کہلوانے کی درخواست کی۔

· شرافت کا دعویٰ: اس نے دعویٰ کیا کہ وہ دراصل ایک شاہی خاندان سے ہے اور اس نے اپنی بیٹی ایوا فرینک کو "خدائی خاتون" (Divine Lady) اور مسیحا کا اوتار قرار دیا۔

· فرینکسٹ فرقہ: اس کے پیروکار بھی ظاہری طور پر کیتھولک بن گئے مگر اندرونی طور پر فرینک کو خدا مانتے رہے۔ ان کی نسلیں بعد میں پولش شرافت میں ضم ہو گئیں۔

د) فتنے کی نوعیت

یعقوب فرینک کا فتنہ "بت پرستی اور اخلاقی پستی" کا مکمل نمونہ تھا۔ اس نے یہودیت کی ہر اس بنیاد کو پامال کیا جس پر یہ قوم کھڑی ہے: توحید، شریعت، اور اخلاقیات۔

3. یہ دونوں "فتنے" کیوں اہم ہیں؟ (موجودہ دور سے ربط)

یہ دونوں واقعات یہودیت کے لاشعور میں ایک اجتماعی زخم (Collective Trauma) کی حیثیت رکھتے ہیں، جس کی بازگشت آج کے کسی بھی مسیحائی دعوے میں سنائی دیتی ہے:

1. مسیحائی جنون کی ممانعت: ان واقعات کے بعد راسخ العقیدہ یہودیت نے "مسیح کے آنے پر مجبور کرنے" (Forcing the End) اور مخصوص تاریخوں کی پیشین گوئی کرنے کو سختی سے حرام قرار دے دیا۔

2. چاباد کے لیے آئینہ: جب چاباد تحریک کے لوگ ربی شنیرسن کے لیے "یچی" (بادشاہ مسیح زندہ باد) کا نعرہ لگاتے ہیں، یا ان کی تصویر کو مرکزی حیثیت دیتے ہیں، تو پرانی نسل کو فوراً شبیتائی زیوی کی وہ عبادت گاہیں یاد آ جاتی ہیں جہاں تورات کی جگہ "مسیح بادشاہ" کی تصویر رکھی جاتی تھی۔

3. "گناہ کے ذریعے نجات" کا رد: یہودیت میں آج بھی کوئی بھی نظریہ جو شریعت کی خلاف ورزی کو جائز قرار دے، اسے "فرینکسٹ" کہہ کر فوراً مسترد کر دیا جاتا ہے، کیونکہ فرینک نے ثابت کیا کہ مذہبی جنون کی انتہا مکمل لادینیت اور اخلاقی تباہی پر ختم ہوتی ہے۔

یہ دونوں شخصیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہودیت میں سب سے بڑا "فتنہ" باہر کا دشمن نہیں بلکہ اندر سے اٹھنے والا وہ جھوٹا نجات دہندہ ہے جو تورات کے نام پر تورات کو جلا دے اور نجات کے نام پر قوم کو روحانی غلامی میں دھکیل دے۔

"ربی شنیرسن اور جاپاد تحریک" کا "جاپاد" دراصل "چاباد" (Chabad) کا اردو املا ہے، جسے چاباد لوباوِچ (Chabad Lubavitch) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تحریک اور اس کے آخری پیشوا ربی میناکم مینڈل شنیرسن (1902-1994) کا معاملہ یہودیت کے موجودہ "فتنوں" میں سب سے زیادہ گہرا، پیچیدہ اور تلخ ہے۔

یہ بحث اس لیے بھی منفرد ہے کیونکہ چاباد بیک وقت یہودی شناخت کی سب سے بڑی محافظ اور توحید کے حوالے سے سب سے بڑی متنازعہ تحریک ہے۔ اس تنازعے نے راسخ العقیدہ یہودیت کو ایک ایسی بنیادی شاخ سے دوچار کر دیا ہے جو اسے عیسائیت جیسی "تجسیمی" سوچ کی طرف دھکیل رہی ہے۔

چاباد اور ربی شنیرسن کے اس "فتنے" کو تین حصوں میں سمجھنا ضروری ہے: تحریک کی بنیاد اور عالمی مشن، شنیرسن کی غیر معمولی شخصیت، اور ان کی موت کے بعد پھوٹنے والا مسیحائی بحران۔

1. تحریکِ چاباد: صرف ایک فرقہ نہیں، ایک عالمی سلطنت

چاباد عبرانی الفاظ "حُخمہ" (حکمت)، "بینہ" (فہم) اور "دعت" (علم) کا مخفف ہے۔

یہ حسیدی (Hasidic) تحریک کی ایک دانشورانہ شاخ ہے جس کی بنیاد 1775 میں ربی شنور زالمان نے رکھی تھی۔ لیکن اسے عالمی طاقت ربی شنیرسن نے بنایا۔

· "لوباوِچ" کا مطلب: یہ روس کا ایک قصبہ ہے جہاں تحریک کا مرکز تھا۔ بولشویک انقلاب کے بعد یہ قیادت پولینڈ اور پھر امریکہ منتقل ہو گئی۔

· شنیرسن کا مشن: 1951 میں قیادت سنبھالنے کے بعد ربی شنیرسن نے چاباد کو یہودیت کی تاریخ کی سب سے بڑی تبلیغی مشین میں تبدیل کر دیا۔ انہوں نے "شلیخ" (Shaliach) یعنی مبلغین کا ایک عالمی نیٹ ورک بنایا۔

· موجودہ حیثیت: آج دنیا بھر میں 5,000 سے زیادہ چاباد مراکز (Chabad Houses) ہیں، انٹارکٹیکا سے لے کر نیپال تک۔ ان کا ہدف صرف ایک ہے: لادین (سیکولر) یہودیوں کو دوبارہ مذہب کی طرف لانا (Teshuv-a) چاباد یہودی دنیا کا سب سے بڑا کھلا، غیر سیاسی اور مذہبی نیٹ ورک ہے۔

2. ربی شنیرسن: عالم، صوفی، اور "مسیح" کی شخصیت

ربی میناکم مینڈل شنیرسن کو ان کے پیروکار "دی ربّے" (The Rebbe) کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ محض ایک رہنما نہیں تھے، بلکہ ایک ہمہ گیر شخصیت تھے۔

· غیر معمولی قابلیت: انہوں نے برلن اور سوربون (پیرس) سے انجینئرنگ اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ جدید سائنس اور گہرے قبالی تصوف کو یکجا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

·

· ذاتی کرشمہ: وہ بے اولاد تھے، اور ان کی ذات ان کے پیروکاروں کے لیے مکمل محور تھی۔ ہر ہفتے وہ ہزاروں لوگوں کو "ڈالر" اور مشورہ دیتے تھے۔ ان کے مرید ان کی طرف ایسے دیکھتے تھے جیسے وہ خدا سے براہِ راست رابطے کا واحد ذریعہ ہوں۔

· "نسل کا سربراہ" (Rosh Bnei Yisrael): چاباد کے فلسفے میں "تزاڈک" (صالحِ کامل) کو نسل کا روحانی دل اور سر مانا جاتا ہے۔ ربی شنیرسن کے لیے یہ تصور انتہا کو پہنچ گیا۔ انہیں "موسیٰ کی روح کا تسلسل" اور آخری نسل کا رہنما سمجھا جانے لگا۔

3. مسیحائی "فتنے" کا ارتقا: "ہم مسیح چاہتے ہیں، ابھی!"

یہ وہ نکتہ ہے جہاں چاباد کا مشن اپنے ہی پیشوا کے لیے ایک الٰہیاتی بحران بن گیا۔

الف) مہم کا آغاز (1980 کی دہائی)

ربی شنیرسن نے خود 1980 کی دہائی میں "ویلکم مسیح" (Welcome Moshiach) کی عالمی مہم شروع کی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ "مسیح اب آنے کو ہے اور ہمیں اس کے استقبال کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

· "انسانیت کا لمحۂ فیصلہ": انہوں نے خلیجی جنگ (1991) کو "جوج اور ماجوج" کی جنگ سے تعبیر کیا اور کہا کہ صرف مزید ایک نیک کام کرنے سے مسیح کو لایا جا سکتا ہے۔

· "مشیاخ شنیرسن": چاباد کے کارکنان نے عبادت گاہوں میں پوسٹر لگا دیے جن پر ربی شنیرسن کی تصویر کے ساتھ "مسیح" لکھا ہوتا تھا۔

ب) موت کا دھچکا اور دو گروہوں میں تقسیم (1994)

1994 میں جب ربی شنیرسن 92 سال کی عمر میں فوت ہوئے، تو روایتی یہودیت کے مطابق مسیح ہونے کا دعویٰ وہیں ختم ہو جانا چاہیے تھا، کیونکہ مسیح مرتا نہیں بلکہ اپنا مشن مکمل کرتا ہے۔ لیکن چاباد کی ایک بڑی تعداد کے عقیدے نے ایک خطرناک موڑ لیا۔

ج) "مسیحائی چاباد" (Meshichistim) کا عقیدہ

یہ دھڑا آج بھی یقین رکھتا ہے:

1. ربی شنیرسن مرے نہیں: وہ زندہ ہیں مگر آنکھوں سے اوجھل ہیں، یا ایک صوفیانہ جسم میں موجود ہیں۔

2. وہ "خدا کا جوہر" (Atzmus) ہیں: یہاں الٰہیات نے وہ لکیر پار کی جو یہودیت میں ناقابلِ عبور ہے۔ ان کے لیے ربی شنیرسن خدا کی صفات کا حامل نہیں بلکہ خدا کا ظہور ہیں۔

4. "یچی" (Yechi) کا نعرہ: وہ بلند آواز سے "یچی ادونینو... ملک ہمشیخ لولام واعد" (ہمارے آقا، بادشاہ مسیح زندہ باد ہمیشہ) گاتے ہیں، گویا وہ پہلے ہی مسیحا ہیں اور واپس آ کر مکمل کریں گے۔

4. یہ "فتنہ" کیوں ہے؟ — چاباد اور کلاسیکی یہودیت کے درمیان خلیج

چاباد کا یہ مسیحائی گروہ راسخ العقیدہ یہودیت کے لیے صرف ایک فرقہ نہیں بلکہ بت پرستی (Avodah Zarah) کے زمرے میں آتا ہے، جس کی تین وجوہات ہیں:

الف) توحید کی خلاف ورزی

یہودیت کی مرکزی دعا "شما یسرائیل" (خدا ایک ہے) ہے۔ جب آپ کسی انسان کو "خدا کا جوہر" کہتے ہیں، اس کی تصویر کی تعظیم کرتے ہیں، اور اس سے "مسیح" کے طور پر التجائیں کرتے ہیں، تو یہ وہی تصور ہے جس نے عیسائیت کو جنم دیا۔ راسخ العقیدہ علما کہتے ہیں کہ چاباد نے "بنی اسرائیل کے خیموں کے اندر سونے کا بچھڑا" (Golden Calf) کھڑا کر دیا ہے۔

ب) شریعت کا نفسیاتی خاتمہ

جب ایک شخصیت پرستی (Personality Cult) اس حد تک بڑھ جائے تو تورات کے احکامات ثانوی ہو جاتے ہیں۔ "ریبے" کی تصویر یا ان کا "ڈالر" تورات کے طومار سے زیادہ مقدس سمجھا جانے لگتا ہے۔ یہ وہی خطرہ تھا جو شبیتائی زیوی کے دور میں ظاہر ہوا تھا۔

ج) ایک اور "شبیتائی زیوی" کا خوف

مرکزی دھارے کے یہودی یہ سوال کرتے ہیں: جب آنے والی دہائیوں میں یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو جائے گی کہ ربی شنیرسن مشن مکمل کیے بغیر مر گئے اور واپس نہیں آئے، تو ان لاکھوں مسیحائی چاباد یہودیوں کے بچوں کا ایمان کا کیا بنے گا؟ 17ویں صدی کی طرح، اس کا انجام اجتماعی الحاد یا نفسیاتی ٹوٹ پھوٹ ہو سکتا ہے۔

5. موجودہ صورتحال: ایک خاموش ٹوٹ

· اعتدال پسند چاباد بمقابلہ مسیحائی چاباد: مرکزی چاباد قیادت سفارتی طور پر خاموش ہے یا اعتدال پسند موقف رکھتی ہے کہ "ربی مسیح ہو سکتے تھے، لیکن اب معاملہ خدا کے سپرد ہے۔" لیکن زمینی سطح پر مسیحائی جذبات غالب ہیں، خاص طور پر اسرائیل کے مذہبی علاقوں میں۔

اسرائیلی· سیاست: چاباد کا اثر اسرائیلی سیاست میں بہت گہرا ہے۔ وہ انتہائی دائیں بازو کی آبادکارانہ پالیسیوں کی حمایت کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ربی شنیرسن کا ظہور دوبارہ ہوگا اور وہ "عربوں کو اسرائیل سے نکال کر" مسیحائی امن قائم کریں گے --

باقی یہودیوں کا رد: بہت سے آرتھوڈوکس گروہ چاباد کے مسیحائی مراکز میں جانے سے گریز کرتے ہیں، ان کا گوشت حلال نہیں سمجھتے، اور انہیں "ممش" (Meshichist پاگل) کہتے ہیں۔

ربی شنیرسن اور چاباد تحریک کا یہ "فتنہ" یہودیت کے سامنے ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اسے اپنی سب سے بڑی خوبی (مسیح کی امید) اور سب سے بڑی کمزوری (شخصیت پرستی) ایک ساتھ نظر آتی ہے۔ چاباد نے یہودی بچوں کو یہودی رہنا سکھایا، لیکن اس عمل میں اس نے اپنے ہی پیشوا کو ایک ایسا بت بنا دیا جو توحید کے مرکز کو چیلنج کر رہا ہے۔ یہی وہ داخلی تضاد ہے جسے آج کا یہودی دانشور "ہمارے دور کا سب سے بڑا الٰہیاتی بحران" کہتا ہے۔

سیاسی صیہونیت اور اخلاقیات کا تنازع یہودیت کے اندر ایک ایسا "فتنہ" ہے جس نے صرف یہودی معاشرے کو ہی نہیں تقسیم کیا بلکہ خود یہودی الٰہیات اور اخلاقیات کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

یہ تنازع اس بنیادی سوال پر کھڑا ہے: کیا ایک جدید قومی ریاست کا قیام اور اسے ہر قیمت پر برقرار رکھنا، یہودی پیغمبرانہ اخلاقیات کے مطابق ہے؟ اس بحث کے دو مرکزی محور ہیں: اقتدار کی اخلاقیات اور مسیحائی قوم پرستی۔

1. "یہودی اقتدار" کا اخلاقی بحران

دو ہزار سال تک یہودی ایک بے وطن، بے اختیار اور مظلوم اقلیت رہے۔ سیاسی صیہونیت نے جان بوجھ کر "نئے یہودی" کی تخلیق کا بیڑا اٹھایا جو طاقتور ہو اور اپنا دفاع خود کرے۔ لیکن اس طاقت نے ایسے اخلاقی سوالات کو جنم دیا جن کا جواب یہودی فقہ اور فلسفے کے پاس تیار نہیں تھا:

یشایاہو لیبووٹز کا انتباہ: اس عظیم اسرائیلی مفکر نے 1967 کی چھ روزہ جنگ کے فوراً بعد پیشین گوئی کی کہ فلسطینی علاقوں پر قبضہ اسرائیل کو ایک "نازی ریاست" میں بدل دے گا۔ اس نے دلیل دی کہ دوسری قوم پر حکمرانی کرنا لازمی طور پر جبر، ظلم، اور "شاباک (انٹیلیجنس ایجنسی) کے تشدد" کو جنم دے گا، جو یہودی روح کو تباہ کر دے گا۔ لیبووٹز کے نزدیک یہی وہ اصل "فتنہ" تھا جس نے مقدس سرزمین کے بت کو خدا پر ترجیح دے دی۔

· تشدد اور مزاحمت: اسرائیلی فوج (IDF) کو "دنیا کی سب سے اخلاقی فوج" کہا جاتا ہے، لیکن انتفاضوں اور غزہ کی جنگوں میں شہریوں کی ہلاکتوں نے ایک تلخ داخلی بحث چھیڑ دی ہے۔ "بریکنگ دی سائلنس" جیسی تنظیمیں، جو سابق فوجیوں پر مشتمل ہیں، مقبوضہ علاقوں میں فوجی اخلاقیات کے زوال کو دستاویزی شکل دے رہی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ قبضہ صرف فلسطینیوں کا نہیں، بلکہ خود اسرائیلی نوجوانوں کا بھی اخلاقی قتل ہے۔

2. مذہبی صیہونیت کا "مسیحائی فتنہ"

یہ تنازع کی انتہائی خطرناک شاخ ہے جسے خود راسخ العقیدہ یہودیت کا ایک بڑا طبقہ "شرک فی القومیت" اور "جھوٹا مسیحا" تصور کرتا ہے۔

· آبادکاری بطور مذہبی فریضہ: ربی ابراہیم اسحاق کوک اور ان کے بیٹے ربی زوی یہودا کوک کی تعلیمات نے سیکولر صیہونیت کو ایک الٰہی منصوبہ قرار دیا، جس میں غیر یہودیوں سے زمین واپس لینا "نجات" کا حصہ ہے۔ اس نظریے نے مغربی کنارے میں بستیوں کی تعمیر کو ایک مقدس حکم بنا دیا۔

· پہاڑی نوجوان (Hilltop Youth) یہ نسل پرست اور انتہا پسند آباد کاروں کا ایک نیٹ ورک ہے جو ریاستی قوانین کو بھی نہیں مانتا۔ یہ فلسطینیوں کی مسجدوں کو جلانے اور زیتون کے درخت تباہ کرنے کو مذہب کی خدمت سمجھتے ہیں۔ اسرائیلی سیکورٹی ایجنسی "شن بیت" اس گروہ کو "یہودی دہشت گردی" قرار دے چکی ہے۔ یہاں المیہ یہ ہے کہ ان کا عمل تورات کے بنیادی اخلاقی احکام "تم پردیسی پر ظلم نہ کرنا" کی صریحاً خلاف ورزی ہے، مگر وہ خود کو سب سے بڑا مذہبی یہودی سمجھتے ہیں۔

· ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا جنون: "مومنوں کا وفادار گروہ" جیسی تنظیمیں مسجدِ اقصیٰ کی جگہ پر ہیکل کی تعمیر نو کے لیے سرگرم ہیں۔ راسخ العقیدہ یہودیت کی اکثریت اس کی شدید مخالفت کرتی ہے، کیونکہ یہودی الٰہیات کے مطابق تیسرا ہیکل صرف مسیحا خود تعمیر کرے گا، انسان نہیں۔ وہ اس کوشش کو "خدا کو مجبور کرنے" اور ایک ایسی تیسری عالمی جنگ کو دعوت دینے کے مترادف سمجھتے ہیں جو یہودیوں کی نسل کشی کا باعث بنے۔

3. اسرائیل کا "یہودی اور جمہوری" ہونے کا تضاد

یہ سیاسی صیہونیت کا سب سے بنیادی آئینی فتنہ ہے۔

· دہری وفاداری کا الزام: اسرائیل میں 20 فیصد عرب شہری ہیں۔ 2018 کے "قومی ریاست کے قانون" نے عبرانی کو واحد سرکاری زبان اور یہودی آبادکاری کو قومی قدر قرار دیا، جبکہ عربی کی حیثیت ختم کر دی۔ اسرائیلی ڈروز (عرب اقلیت جو فوج میں بھرتی ہوتے ہیں) نے اسے جمہوریت کے ساتھ غداری قرار دیا۔ یہ بحث کہ کیا ریاست "یہودی" ہے یا "اس کے تمام شہریوں کی"، سیاسی صیہونیت کی بنیاد میں ایک اخلاقی دراڑ ہے۔

بین· الاقوامی تنقید اور انسانی حقوق: بیتسیلم (اسرائیلی انسانی حقوق کی تنظیم)، ہیومن رائٹس واچ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹیں اسرائیل پر "رنگ امتیاز" (Apartheid) کا الزام لگا چکی ہیں۔

یہ الزام خواہ سیاست سے متاثر ہو، لیکن اس نے خود اسرائیلی دانشوروں کو یہ سوال کرنے پر مجبور کر دیا کہ کیا ہولوکاسٹ کا متبادل صرف ایک ایسی ریاست ہو سکتی ہے جس پر رنگ امتیاز کا الزام لگے؟

4. یہودی ڈائیسپورا کی اخلاقی بغاوت

سیاسی صیہونیت کو سب سے بڑا اخلاقی دھچکا آج نوجوان امریکی یہودیوں کی طرف سے لگ رہا ہے، جو "فتنہ" کو نہیں مانتے اور کھل کر انحراف کر رہے ہیں:

· "صیہونیت میری یہودیت نہیں ہے": جیوش وائس فار پیس اور "اِف ناٹ ناؤ" جیسی تحریکیں کہتی ہیں کہ فلسطینیوں پر ظلم اور قبضہ یہودیت کی بنیادی اقدار "عدل" اور "دنیا کی اصلاح" (Tikkun Olam) کے منافی ہے۔ یہ نوجوان یہودی عبادت گاہوں میں جا کر "نوجوان یہودیوں کا صیہونیت سے اخلاقی انحراف" کا اعلان کر رہے ہیں۔

· پیٹر بینارٹ جیسے مفکرین: معروف یہودی صحافی نے "ایک ریاستی حل" کی وکالت کرتے ہوئے دلیل دی کہ دو ریاستوں کا حل اب ممکن نہیں اور ایک ہی ریاست میں مساوی حقوق دینا ہی حقیقی یہودی اخلاقیات کا تقاضا ہے۔ راسخ العقیدہ اور مین اسٹریم صیہونی حلقے اسے یہودی ریاست کا "خودکش مشن" اور "جدید شبیتائی زیوی" قرار دیتے ہیں، یعنی وہی پرانا فتنہ جو یہودیوں کو ایک جھوٹی امید دے کر انہیں تباہ کر دے گا۔

نتیجہ: فتح یا بقا کا اخلاقی تضاد

سیاسی صیہونیت نے یہودیوں کے لیے جسمانی تحفظ تو فراہم کیا، لیکن انہیں ایک مستقل اخلاقی اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ یہی وہ "فتنہ" ہے: ایک طرف ایک طاقتور فوج کے ساتھ خود مختار ریاست میں رہنے کی امنگ ہے، تو دوسری طرف تورات کا وہ حکم جو کہتا ہے کہ جب تم طاقتور ہو جاؤ تو اپنے دشمن پر رحم کرو اور پردیسی سے محبت کرو کیونکہ تم خود مصر میں پردیسی تھے۔

یہ دونوں تقاضے آپس میں ٹکرا رہے ہیں، اور اس ٹکراؤ میں یہودی شناخت کا مستقبل چھپا ہوا ہے۔

"داخلی لادینیت" یہودیت کے اندر بحث محض ایک سماجی رجحان نہیں بلکہ ایک ایسا وجودی "فتنہ" ہے جسے راسخ العقیدہ (آرتھوڈوکس) طبقہ "خاموش ہولوکاسٹ" یا "روحانی خودکشی" سے تعبیر کرتا ہے۔

"داخلی لادینیت" کا مطلب یہ ہے کہ یہودی خود اپنی مرضی سے مذہبی احکامات، عقائد اور شناخت کو ترک کر رہے ہیں، بغیر کسی بیرونی جبر کے۔ یہ رجحان دو صدیوں میں پہلی بار یہودیوں کی اکثریت کو مذہب سے باہر لا کھڑا کر چکا ہے۔

یہ رجحان درج ذیل جہتوں میں ایک "فتنہ" بنا ہوا ہے:

1. "ام یسرائیل" (قومِ اسرائیل) کی تعریف کا بحران

داخلی لادینیت نے اس بنیادی تصور کو توڑ دیا ہے کہ یہودی ایک "منتخب قوم" ہیں جن کا خدا کے ساتھ ایک خاص عہد ہے۔

• "تورات کی بجائے ٹی وی": سیکولر یہودی کے لیے عبادت گاہ جانے کی بجائے جمعہ کی رات فلم دیکھنا، یا یوم کپور (کفارے کا دن) کے روزے کی بجائے چھٹی منانا معمول بن چکا ہے۔ مذہبی یہودی اسے صرف گناہ نہیں بلکہ "عہدِ سینا سے انحراف" سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ اعلانِ جنگ ہے کہ "ہمیں خدا کی ضرورت نہیں، ہم خود اپنی قسمت کے مالک ہیں۔"

• ثقافتی یہودی (Cultural Jew): لاکھوں یہودی آج خود کو "سیکولر" یا "لادین" کہتے ہیں مگر یہودی شناخت پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ شناخت مذہب نہیں بلکہ کھانے (بیگل، لکس)، مزاح (یہودی لطیفے)، ہولوکاسٹ کی یاد، اور اسرائیل سے وابستگی پر قائم ہے۔ آرتھوڈوکس علما اسے "خالی خول" (Empty Shell) قرار دیتے ہیں کیونکہ اس میں روح (تورات) باقی نہیں رہی۔

2. انضمام (Assimilation) کا طوفان

داخلی لادینیت کی سب سے بڑی عملی علامت بین المذاہب شادیاں ہیں، جسے مذہبی طبقہ یہودی مستقبل کے لیے ایٹم بم سے تعبیر کرتا ہے۔

• اعداد و شمار کا خوف: امریکہ میں غیر آرتھوڈوکس یہودیوں میں بین المذاہب شادیوں کی شرح 70 فیصد سے تجاوز کر چکی ہے۔ ان شادیوں میں پرورش پانے والے بچوں کی اکثریت خود کو یہودی نہیں سمجھتی یا محض "جزوی یہودی" سمجھتی ہے۔

• "خاموش ہولوکاسٹ": آرتھوڈوکس راہنما کہتے ہیں کہ ہٹلر یہودیوں کے جسم ختم کرنا چاہتا تھا، جبکہ جدید لادینیت یہودیوں کی روح اور اولاد کو بغیر کسی گیس چیمبر کے ختم کر رہی ہے۔ جب ایک یہودی کسی غیر یہودی سے محبت کی بنا پر شادی کرتا ہے، تو یہ عمل مذہبی قوانین کے نزدیک "شجرہ نسب کا قتل" ہے۔

3. "اصلاحِ دنیا" (Tikkun Olam) کا مسخ شدہ استعمال

یہودیت میں "دنیا کی اصلاح" (Tikkun Olam) کا گہرا تصور ہے، جس کا روایتی مفہوم مذہبی احکامات کے ذریعے دنیا کو خدا کے لیے تیار کرنا ہے۔

· لادین یہودیت نے اس تصور کو ہائی جیک کر لیا ہے: آج کل لبرل اور سیکولر یہودی سماجی انصاف، ماحولیات، اور انسانی حقوق کی تحریکوں کو ہی "اپنی یہودیت" سمجھتے ہیں۔ وہ عبادت گاہ نہیں جاتے، تورات نہیں پڑھتے، لیکن بلیک لائیوز میٹر یا کلائمیٹ چینج کے احتجاج میں ضرور شامل ہوتے ہیں۔

· مذہبی ردِ عمل: آرتھوڈوکس طبقہ اسے "تورات کے بغیر مسیحائیت" کا نام دیتا ہے۔ ان کے نزدیک یہ "اصلی فتنہ" ہے کیونکہ یہ خود کو اخلاقی اور نیک محسوس کرنے کا ایک ایسا راستہ ہے جس میں خدا کے احکامات کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی، یوں انسانی انا خدا کی جگہ لے لیتی ہے۔

4. ہولوکاسٹ کا الٰہیاتی خلا

داخلی لادینیت کی ایک بڑی وجہ خود مذہب کا وہ بحران ہے جو ہولوکاسٹ کے بعد پیدا ہوا۔

· "خدا کہاں تھا؟": چھ ملین یہودیوں کے قتل نے بہت سے مومنین کو ملحد بنا دیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ یا تو خدا موجود نہیں، یا اگر ہے تو وہ عہد کا پابند نہیں۔ یہ لادینیت غم اور غصے سے پیدا ہونے والی لادینیت ہے، جو صرف نظریہ نہیں، ایک جذباتی رد ہے۔

· "گولڈن میڈینہ" (سنہری ملک) کا فریب: امریکہ میں یہودیوں کو جو خوشحالی اور قبولیت ملی، اس نے انہیں یہ باور کرا دیا کہ مذہب کی ضرورت صرف مصیبت میں تھی، جبکہ آزادی میں اس کی ضرورت نہیں۔ یہ سوچ مذہبی طبقے کے نزدیک "فرعون کا جدید محل" ہے، جہاں غلامی اچھے کپڑوں میں چھپی ہے۔

5. راسخ العقیدہ طبقے کا ردِ عمل: واپسی کی تحریک (Teshuva)

داخلی لادینیت کے اس "فتنے" کے جواب میں یہودیت کے اندر ایک بہت طاقتور جوابی تحریک چلی، جو خود اس فتنے کی سنگینی کو ثابت کرتی ہے:

چاباد· (Chabad) کا مشن: چاباد تحریک دنیا بھر میں صرف اور صرف لادین یہودیوں کو نشانہ بناتی ہے۔ ان کا فلسفہ ہے کہ "ایک بھی یہودی گم نہ ہو۔" وہ سڑکوں پر جا کر لادین یہودیوں سے پوچھتے ہیں: "کیا تم یہودی ہو؟" اور انہیں معمولی سے مذہبی عمل (جیسے تیفلین باندھنا) کی دعوت دیتے ہیں، اس امید پر کہ ایک چنگاری سے پورا چراغ جل اٹھے گا۔

بعل تشووہ (Baal Teshuva) تحریک: ہزاروں ایسے نوجوان جو انتہائی سیکولر گھرانوں میں پیدا ہوئے، وہ خود بخود آرتھوڈوکس یہودیت کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ یہ لادینیت کی ناکامی کا ردِ عمل ہے، جہاں لوگوں کو "خالی خول" میں معنی نہیں مل رہا تھا۔

داخلی لادینیت کو اس لیے سب سے پیچیدہ "فتنہ" مانا جاتا ہے کیونکہ یہ باہر کے دشمن کی طرح نہیں ہے۔ آپ بیرونی دشمن سے لڑ سکتے ہیں، لیکن جب "دشمن" آپ کا اپنا بیٹا ہو، جو آپ کی تمام اقدار کو رد کرتے ہوئے بھی کہتا ہے کہ "میں تم سے پیار کرتا ہوں اور میں ویسے بھی یہودی ہوں"، تو یہ وہ بحث ہے جس کا کوئی آسان حل نہیں۔ یہی وہ جاری تناؤ ہے جو یہودیت کی چار ہزار سالہ تاریخ کی سب سے بڑی تبدیلی کو تشکیل دے رہا ہے۔

آپ نے "مسیح موعود کے دعوے" کا موضوع پوچھا ہے۔ یہودیت کے اندر یہ بحث محض ایک تاریخی تجسس نہیں بلکہ ایک ایسا زندہ اور سلگتا ہوا "فتنہ" ہے جو توحید، شریعت اور اجتماعی نفسیات کی بنیادوں کو ہلا رہا ہے۔

یہودی تاریخ میں جھوٹے مسیحاؤں نے ہمیشہ تباہی مچائی ہے، لیکن موجودہ دور میں یہ تنازعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ یہ دنیا کی سب سے بڑی اور منظم یہودی تحریک کے اندر سے پھوٹا ہے۔

1. کلاسیکی یہودی عقیدۂ مسیح: بنیاد

سب سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ راسخ العقیدہ یہودیت مسیح موعود کے بارے میں کیا مانتی ہے، تاکہ انحراف کو سمجھا جا سکے:

- مکمل انسان: مسیح ایک فانی انسان ہوگا، خدا یا خدا کا بیٹا نہیں۔
- داؤدی نسل: وہ بادشاہ داؤد کی نسل سے ہوگا۔
- سیاسی اور روحانی نجات: وہ تمام یہودیوں کو اسرائیل میں جمع کرے گا، ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو کرے گا، اور پوری دنیا میں امن قائم کرے گا۔
- لازمی شرط: اگر کوئی دعویدار ان شرائط کو پورا کیے بغیر مر جائے تو وہ یقینی طور پر جھوٹا مسیحا ہے۔

یہودی علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ہر دور میں جھوٹے مسیحا کا ظہور ایک الٰہی آزمائش ہے، مگر وہ اسے "فتنہ" اس وقت قرار دیتے ہیں جب دعویدار مرنے کے بعد بھی زندہ ایمان کی صورت میں برقرار رہے۔

2. تاریخی صدمے: شبیتائی زیوی اور یعقوب فرینک

موجودہ فتنے کو سمجھنے کے لیے تاریخ کے دو زخموں کو یاد کرنا ہوگا:

· شبیتائی زیوی (1666) اس نے پوری دنیا کے یہودیوں کو اپنا مسیحا ماننے پر مجبور کر دیا۔ جب عثمانی سلطان نے اسے موت یا اسلام کے درمیان رکھا تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے نتیجے میں لاکھوں یہودیوں کا ایمان تباہ ہوا اور یہودی دنیا ایک "اجتماعی نفسیاتی صدمے" سے دوچار ہوئی۔

· یعقوب فرینک (18 ویں صدی): اس نے دعویٰ کیا کہ شبیتائی زیوی کی روح اس میں حلول کر گئی ہے اور اس نے ایک ایسا فرقہ بنایا جو بالآخر عیسائیت میں ضم ہو گیا، جس میں جنسی بے راہ روی اور تورات کی توہین شامل تھی۔

ان واقعات نے ربّیوں کو انتہائی محتاط بنا دیا۔ چنانچہ جب چاباد تحریک میں مسیحائی دعوے ابھرے تو مرکزی دھارے کے یہودی علماء نے اسے "شبیتائی زیوی کا دوسرا ایڈیشن" قرار دیا۔

3. موجودہ فتنہ: ربی شنیرسن اور چاباد (Chabad) تحریک

یہودیت میں آج کا سب سے بڑا مسیحائی تنازعہ تحریکِ چاباد لوباویچ کے اندر موجود ہے، جسے "چاباد مسیحائیت" (Chabad Messianism) کہا جاتا ہے۔

الف) ربی میناکم مینڈل شنیرسن کون تھے؟

ربی شنیرسن (1902-1994) چاباد تحریک کے ساتویں اور آخری پیشوا (ربّے) تھے۔ ان کی قیادت میں چاباد دنیا بھر میں سب سے زیادہ پھیلی ہوئی یہودی تنظیم بن گئی۔ وہ ایک غیر معمولی عالم، ریاضی دان، اور انجینئر تھے جنہوں نے لادین یہودیوں کو مذہب کی طرف لانے کی عالمی مہم چلائی۔ ان کی شخصیت میں ایک ایسی کشش تھی کہ ان کے مرید انہیں محض ایک رہنما نہیں بلکہ "نسل کا سربراہ" (Rosh Bnei Yisrael) مانتے تھے۔

ب) مسیحائی موڑ: "یچی" (Yechi) کا نعرہ

1980 کی دہائی کے آخر اور 1990 کی دہائی کے شروع میں چاباد کے اندر ایک زوردار تحریک نے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ "ربی شنیرسن ہی مسیح موعود ہیں۔"

· "یچی ادونینو مورینو وربینو ملک ہمشیخ لولام واعد": اس کا مطلب ہے "ہمارے آقا، استاد، اور ربّی، بادشاہ مسیح زندہ باد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔" یہ نعرہ عبادت گاہوں میں گایا جانے لگا، گویا وہ پہلے ہی مسیحا ہیں۔

·

• مرنے کے بعد کا بحران: 1994 میں جب ربی شنیرسن بے اولاد فوت ہوئے، تو روایتی یہودیت کے مطابق یہ دعویٰ ختم ہو جانا چاہیے تھا کیونکہ ایک مرا ہوا انسان مسیحا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہوا اس کے برعکس۔۔

ج) "مرنے کے بعد کا فتنہ": مسیحائی فرقے کی پیدائش

ربی شنیرسن کی موت کے بعد چاباد دو حصوں میں بٹ گئی:

• اعتدال پسند چاباد: وہ مانتے ہیں کہ ربی شنیرسن ایک عظیم پیشوا تھے، مسیح ہو سکتے تھے، مگر چونکہ انتقال کر گئے، اس لیے یہ معاملہ خدا کے سپرد ہے۔

• مسیحائی انتہا پسند (Meshichistim) یہ ایک بہت بڑا، منظم اور پرجوش دھڑا ہے جو آج بھی یقین رکھتا ہے کہ ربی شنیرسن زندہ ہیں اور جلد مکمل طور پر ظاہر ہو کر مسیحا کا کردار ادا کریں گے۔

• وہ ربی شنیرسن کی قبر پر جا کر ان سے دعائیں مانگتے ہیں، انہیں خط لکھتے ہیں۔

• وہ ان کی تصویریں رکھتے ہیں اور انہیں "خدا کا جوہر" قرار دیتے ہیں۔

• وہ اس حد تک بڑھ گئے کہ بعض حلقوں نے ربی شنیرسن کو "خود خدا" (Atzmus) کا مجسم قرار دے دیا۔

یہاں وہ لکیر پار ہو گئی جس نے یہودیت کے اندر زلزلہ برپا کر دیا۔

4. یہ "فتنہ" کیوں ہے؟ (الٰہیاتی اور سماجی اثرات)

چاباد مسیحائیت کو راسخ العقیدہ یہودیت کا مرکزی دھارا تین بنیادی وجوہات کی بنا پر "فتنہ" بلکہ "بت پرستی" سمجھتا ہے:

الف) توحید کی خلاف ورزی (Avodah Zarah)

یہودیت کی بنیاد "خدا ایک ہے" (Shema Yisrael) پر ہے۔ جب کوئی گروہ کہتا ہے کہ ایک انسان "خدا کا جوہر" ہے، اس کی تصویر کے سامنے جھکتا ہے، اور اس سے دعائیں مانگتا ہے، تو یہ صریحاً بت پرستی ہے۔ ربی ایلیعزر شاخ جیسے عظیم علما نے چاباد مسیحائیوں کو "ممش" (مسیحائی پاگل) قرار دیا اور انہیں یہودی جماعت سے باہر سمجھا۔

ب) "مردے میں سے جی اٹھنے" کا غیر یہودی تصور

یہ عقیدہ کہ ایک مرا ہوا شخص مسیحا ہے اور وہ دوبارہ زندہ ہو کر آئے گا، بنیادی طور پر عیسائیت کا نظریہ ہے، یہودیت کا نہیں۔ یہودیت میں کبھی بھی مسیحا کی موت اور قیامت کا تصور نہیں رہا۔ لہٰذا راسخ العقیدہ طبقہ چاباد پر الزام لگاتا ہے کہ انہوں نے "عیسائیت کو یہودی عبادت گاہوں کے اندر پہنچا دیا ہے۔"

ج) اجتماعی فریب اور مایوسی کا خطرہ
تاریخ گواہ ہے کہ جھوٹے مسیحا کے فریب کا انجام شدید مذہبی بے راہ روی یا لادینیت کی صورت میں ہوتا ہے۔ جب چاباد کے وہ نوجوان پیروکار، جو اس یقین کے ساتھ پلے بڑھے کہ ربی شنیرسن مسیح ہیں، اس حقیقت سے دوچار ہوں گے کہ مسیح آ نہیں رہے (جب تک وہ اس عقیدے پر قائم ہیں)، تو ان کا ایمان تباہ ہو سکتا ہے۔ یہ ایک "ٹائم بم" ہے جس سے مرکزی دھارے کے علما خوف زدہ ہیں۔۔

5. مذہبی صیہونیت اور ہیکل کی تعمیر: ایک متوازی مسیحائی جنون
یہ فتنہ صرف چاباد تک محدود نہیں۔ مذہبی صیہونیت کے انتہا پسند دھڑے میں ایک اور خطرناک مسیحائی سرگرمی جاری ہے: "تیسرے ہیکل" کی تعمیر کے لیے عملی کوششیں۔
· ہیکل انسٹی ٹیوٹ: یہ تنظیم ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لیے تمام برتن، کپڑے اور منصوبے تیار کر چکی ہے اور کاہنوں کو تربیت دے رہی ہے۔
· مسجدِ اقصیٰ کو نشانہ: ان کا واضح ہدف حرم قدسی شریف کی جگہ پر ہیکل کی تعمیر ہے۔ یہ گروہ اس کوشش کو "مسیحا کی آمد کو تیز کرنے" کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔
· الٰہیاتی بغاوت: کلاسیکی یہودیت کے مطابق ہیکل صرف مسیحا خود تعمیر کرے گا جب وہ آئے گا۔ اس لیے ابھی سے ہیکل بنانے کی کوشش کو "خدا کو مجبور کرنا" اور "جبری نجات" (Forcing the End) کہا جاتا ہے، جس کی تلمود میں سخت ممانعت ہے۔ یہ گروہ بھی مذہبی قیادت کی نظر میں ایک "فتنہ" ہے جو ایک عالمی تباہی کو دعوت دے سکتا ہے۔
مسیح موعود کے دعوے یہودیت کے لیے محض ایک نظریاتی اختلاف نہیں بلکہ ایک لرزہ خیز داخلی جنگ ہے۔ چاباد کا معاملہ خاص طور پر المناک ہے کیونکہ یہ تحریک یہودی شناخت کو بچانے والی ایک عظیم قوت تھی، لیکن اپنے ہی پیشوا کو مسیحا بنا کر اس نے توحید کے قلعے میں سب سے بڑی دراڑ ڈال دی۔
یہی وہ "فتنہ" ہے جس میں مبتلا لوگ خود کو سب سے زیادہ مذہبی سمجھتے ہیں، مگر ان کا عقیدہ انہیں یہودیت کی بنیاد سے ہی خارج کر رہا ہے۔ یہ ایک ایسا زخم ہے جو آنے والی دہائیوں میں یہودی دنیا کے نقشے کو تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
یہودیت میں "مسیح موعود" (Mashiach) کا تصور محض ایک فرد کی آمد کا انتظار نہیں بلکہ یہ پوری یہودی تاریخ، الٰہیات اور مستقبل کی امید کا مرکزی ستون ہے۔

یہودیت کا مسیحائی عقیدہ عیسائیت یا اسلام سے یکسر مختلف ہے۔ یہاں مسیح کوئی الوہی ہستی یا خدا کا بیٹا نہیں بلکہ گوشت پوست کا ایک فانی انسان ہے جسے ایک مخصوص سیاسی اور روحانی مشن کے لیے چنا گیا ہے۔

درج ذیل معلومات میں ہم اس تصور کی چار ہزار سالہ جڑوں، شرائط، دورِ مسیح کی خصوصیات اور جدید تفاسیر کا جائزہ لیں گے:

1. لفظ "مشیاخ" (Mashiach) کے لغوی اور شرعی معنی

· لغوی معنی: "مشیاخ" عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "مسح کیا ہوا" (Anointed One) ۔ قدیم اسرائیل میں بادشاہوں اور کاہنِ اعلیٰ (High Priest) کو زیتون کے مخصوص تیل سے مسح کر کے ان کی تقرری کی جاتی تھی۔ اس لیے "مسیح" بنیادی طور پر ایک عہدہ ہے، نہ کہ کوئی معجزانہ صفت۔

· شرعی مفہوم: یہودیت میں مسیح سے مراد داؤد علیہ السلام کی نسل سے ایک ایسا انسانی بادشاہ ہے جسے خدا مستقبل میں مبعوث کرے گا تاکہ وہ دنیا میں سیاسی اور روحانی انقلاب برپا کرے۔

2. مسیح موعود کی شناخت: لازمی شرائط اور نشانیاں

یہودی علما نے تلمود اور تناخ (عہدِ عتیق) کی پیشین گوئیوں کی روشنی میں درج ذیل شرائط طے کی ہیں۔ جب تک یہ سب پوری نہ ہو جائیں، مسیح نہیں آ سکتا اور کوئی بھی دعویدار جھوٹا تصور ہوگا:

الف) نسب اور خاندان

· داؤدی نسل: اس کا نسب بادشاہ داؤد اور ان کے بیٹے سلیمان سے جا ملنا چاہیے۔ یہ شرط اتنی سخت ہے کہ جدید دور میں نسب ناموں کی عدم موجودگی اسے ایک بڑا الٰہیاتی چیلنج بناتی ہے۔

ب) عملی کارنامے (وہ کام جو اسے کرنے ہوں گے)

یہ سب سے اہم معیار ہے۔ یہودیت میں مسیح کے آنے کا ثبوت اس کے مکمل شدہ اقدامات ہیں، نہ کہ اس کے معجزات یا دعوے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے ایک کام بھی ادھورا چھوڑ کر مر جائے تو وہ یقینی طور پر مسیح نہیں تھا:

1. ہیکل سلیمانی کی تعمیرِ نو: یروشلم میں اسی مقام پر تیسرے ہیکل کی تعمیر کرانا جہاں پہلے دو ہیکل قائم تھے (موجودہ قبۃ الصخرہ کی جگہ)۔

2. جلاوطن یہودیوں کا اجتماع (Kibbutz Galuyot) دنیا بھر میں بکھرے ہوئے اسرائیل کے تمام دس گمشدہ قبائل سمیت ہر یہودی کو سرزمینِ اسرائیل میں لا کر آباد کرنا۔

3. عالمی امن (دنیا کی اصلاح): تمام قوموں کے درمیان جنگوں کا خاتمہ کرنا اور پوری دنیا میں ایسا امن قائم کرنا کہ "قوم قوم پر تلوار نہ اٹھائے گی"۔

4. پوری دنیا میں خدا کی معرفت: تمام انسانوں کو خالقِ کائنات کی پرستش پر آمادہ کرنا اور دنیا کو بت پرستی سے پاک کرنا۔

3. دو مسیحاؤں کا تصور: مسیح بن یوسف اور مسیح بن داؤد

یہودیت کے بعض قدیم مڈراشک (تفسیری) متون میں دو مسیحائی شخصیات کا ذکر ملتا ہے، جو موجودہ "فتنوں" کو سمجھنے کے لیے بہت اہم ہے:

· مسیح بن یوسف (Mashiach ben Yosef) یہ ایک فوجی پیشوا ہوگا جو یہودیوں کو جمع کرے گا، ہیکل کی تعمیر کی تیاری کرے گا، مگر وہ خدا کے دشمنوں (جوج اور ماجوج) کے خلاف ایک عظیم جنگ میں شہید ہو جائے گا۔

· مسیح بن داؤد (Mashiach ben David) مسیح بن یوسف کی شہادت کے بعد یہ اصل مسیح ظاہر ہوگا، جو مردوں کو زندہ کرے گا (بعض روایات کے مطابق) اور امن کا دور شروع کرے گا۔

بہت سے ربّی موجودہ دور میں اسرائیل کی فوج یا صیہونی تحریک کے بعض پہلوؤں کو "مسیح بن یوسف" کے عمل سے تشبیہ دیتے ہیں، مگر اسے کلی مسیحائی دور قرار دینے سے گریز کرتے ہیں۔

4. دورِ مسیح (Yemot HaMashiach) بمقابلہ آخرت (Olam HaBa)

یہودیت میں ایک اہم فرق کیا جاتا ہے:

· دورِ مسیح (Yemot HaMashiach) یہ ایک طبعی، زمینی دور ہوگا جہاں موت، بیماری اور گناہ ختم نہیں ہوں گے، مگر یہودی خود مختار ہوں گے، ہیکل قائم ہوگا، اور دنیا میں انصاف ہوگا۔ اس دور میں بھی لوگ کھائیں پئیں گے اور دنیاوی زندگی گزاریں گے۔

· آخرت (Olam HaBa) یہ دورِ مسیح کے بعد آنے والی روحانی دنیا ہے جہاں صالحین کی روحیں خدا کے نور سے لطف اندوز ہوں گی۔

یہودیت کی توجہ ہمیشہ اس زمینی اور عملی "دورِ مسیح" پر رہی ہے، بجائے اس کے کہ کسی مبہم روحانی نجات پر۔

5. مسیح کی آمد میں تاخیر کیوں؟ (جدید الٰہیاتی بحثیں)
موجودہ یہودیت میں یہ ایک سلگتا ہوا سوال ہے جس نے "داخلی لادینیت" کو بھی ہوا دی:

• گناہوں کی سزا: کلاسیکی جواب یہ ہے کہ یہودیوں کے گناہ تاخیر کا سبب ہیں۔
• "قہر کی شدت سے نجات": بعض دانشور کہتے ہیں کہ اگر مسیح جلدی آئے گا تو وہ خوفناک جنگوں اور مصائب (مسیح کی ولادت کے درد) کے ساتھ آئے گا، جبکہ اگر ہم خود کو بہتر بنائیں تو وہ رحمت کے ساتھ آئے گا۔
• اصلاحی (Reform) یہودیت کا انکار: اصلاحی تحریک نے ذاتی مسیح کے تصور کو یکسر رد کر دیا ہے۔ وہ "مسیحائی دور" کو ایک استعارہ مانتی ہے، جسے انسانوں نے مل کر اخلاقیات، سائنس اور انصاف کے ذریعے خود تعمیر کرنا ہے۔ ان کے نزدیک کسی ایک فرد کا انتظار کرنا غیر عقلی ہے۔

6. یسوع مسیح اور اسلام کے عقیدے سے بنیادی فرق
یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہودیت دو ہزار سال سے کیوں یسوع کو مسیح موعود تسلیم نہیں کرتی، کیونکہ یہی نکتہ موجودہ مذہبی مباحث کی بنیاد ہے:

1. کاموں کی تکمیل نہ ہونا: یسوع نے عالمی امن قائم نہیں کیا، ہیکل کی تعمیر نہیں کی، اور دنیا میں خدا کی معرفت کو پھیلانے کے بجائے ایک نیا مذہب وجود میں آیا (عیسائیت)، جو یہودیت کے نزدیک تثلیث کی صورت میں بت پرستی کی ایک شکل ہے۔
2. نسب کا مسئلہ: یہودیت کے مطابق یسوع کا باپ نہیں تھا (کنواری پیدائش)، جبکہ مسیح کا نسب داؤد تک والد کی طرف سے پہنچنا چاہیے۔
3. الوہیت کا مسئلہ: یہودیت کے لیے یہ تصور کہ خدا انسان بن جائے یا اس کا کوئی بیٹا ہو، سنگین ترین بت پرستی (Avodah Zarah) ہے۔

یہی وجوہات ہیں کہ جب چاباد تحریک نے ربی شنیرسن کو "خدا کا جوہر" کہنا شروع کیا تو مرکزی دھارے نے اسے یہودیت سے خارج سمجھا، کیونکہ یہ وہی راستہ تھا جو دو ہزار سال پہلے عیسائیت نے اختیار کیا تھا۔

7. انتظار کا عملی پہلو: "انی معمین" (Ani Ma'amin)
یہودی عبادات میں مسیح کی آمد پر ایمان رکھنا ایک بنیادی جزو ہے۔ موسیٰ بن میمون (میمونائڈیز) کے مرتب کردہ تیرہ اصولوں میں بارھواں اصول ہے:
"میں پورے ایمان کے ساتھ مسیح کی آمد پر یقین رکھتا ہوں؛ اور اگرچہ وہ تاخیر کرے، اس کے باوجود میں ہر روز اس کا انتظار کروں گا کہ وہ آئے گا۔"
یہ جملہ ہولوکاسٹ کے دوران گیس چیمبرز کی طرف جاتے ہوئے لاتعداد یہودیوں کی زبان پر تھا۔

یہ ایک ایسی امید ہے جو مایوسی کے اندھیروں میں بھی قائم رہی، لیکن یہی شدید جذباتی وابستگی اسے "فتنے" کے لیے حساس بنا دیتی ہے جب کوئی جھوٹا دعویدار اس جذبے کا استحصال کرے۔

یہودیت میں مسیح موعود کا تصور ایک سیاسی رہنما، ایک فاتح، ایک مصلح اور ایک معمار کا مرکب ہے، نہ کہ کوئی معجزاتی نجات دہندہ۔ یہ انتظار صرف ایک فرد کا نہیں بلکہ ایک ایسی دنیا کا ہے جہاں انصاف، امن اور خدا کی بادشاہت قائم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس تصور میں کوئی بھی رخنہ یا جھوٹا دعویٰ پوری یہودی اجتماعی نفسیات کو مفلوج کر سکتا ہے۔

آپ نے "ہیکل کی تعمیر" کا موضوع چھیڑا ہے، جو یہودیت کے موجودہ "فتنوں" میں سب سے دھماکہ خیز اور جغرافیائی طور پر خطرناک ہے۔ یہ معاملہ صرف قدیم عمارت کی تعمیرِ نو کا نہیں بلکہ اس میں الٰہیات، سیاست، آثارِ قدیمہ اور عالمی جنگ کے امکانات ایک ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

یہ بحث ربی شنیرسن کی مسیحائیت یا داخلی لادینیت سے زیادہ ٹھوس ہے کیونکہ اس کے عملی اقدامات براہِ راست مسجدِ اقصیٰ کی اینٹوں کو نشانہ بناتے ہیں۔

1. ہیکل کیا ہے اور کیوں ضروری ہے؟

یہودی الٰہیات میں "بیت ہمقداش" (Beit HaMikdash) کو کائنات کا مرکز مانا جاتا ہے، وہ مقام جہاں آسمان اور زمین آپس میں ملتے ہیں اور خدا کی "شکینہ" (حضوری) کا سایہ رہتا تھا۔

• پہلا ہیکل: حضرت سلیمان علیہ السلام نے یروشلم میں بنایا، جسے 586 قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے تباہ کر دیا۔

• دوسرا ہیکل: 70 سال بعد یہودیوں کی واپسی پر تعمیر ہوا، جس کی ہیرود بادشاہ نے توسیع کی۔ اسے 70 عیسوی میں رومی جنرل طیطس نے جلا کر خاکستر کر دیا۔

• تیسرے ہیکل کا عقیدہ: راسخ العقیدہ یہودیت کا بنیادی عقیدہ ہے کہ تیسرا ہیکل مسیح موعود کے آنے کے بعد تعمیر ہوگا اور یہ ایک لازوال اور کامل ہیکل ہوگا۔ روزانہ کی عبادات میں اس کی تعمیرِ نو کے لیے دعا کی جاتی ہے۔

موجودہ دور کا "فتنہ" اس بات پر ہے کہ یہ تعمیر کون کرے گا اور کب کرے گا؟

2. "ہیکل تحریک" کا ظہور: عملی تیاریاں

1967 کی چھ روزہ جنگ میں اسرائیل کے یروشلم پر قبضے کے ساتھ ہی یہ معاملہ محض ایک دعا سے نکل کر عملی منصوبہ بندی میں داخل ہو گیا۔ "ہیکل انسٹی ٹیوٹ" (Machon HaMikdash) اور "ہیکل کے وفادار" (The Temple Mount Faithful) جیسی تنظیموں نے اسے منظم تحریک میں بدل دیا۔

ان کی سرگرمیاں انتہائی خطرناک تصور کی جاتی ہیں:

الف) ہیکل کے برتن اور کاہنوں کی تیاری

· مقدس برتن: ہیکل انسٹی ٹیوٹ نے تورات میں بیان کردہ سونے کے شمعدان (Menorah)، قربانی کی قربان گاہ، اور کاہنِ اعلیٰ کے سینے کے زرہ (Choshen) سمیت 70 سے زائد برتن تیار کر لیے ہیں۔ یہ نمائشی نہیں بلکہ استعمال کے لیے تیار ہیں۔

· سرخ گائے (Red Heifer) یہودی شریعت کے مطابق ہیکل میں داخلے سے پہلے روحانی طہارت (Taharah) کے لیے ایسی سرخ گائے کی راکھ ضروری ہے جس میں ایک بال بھی سفید نہ ہو۔ اسرائیل اور امریکہ میں ایسی گائیوں کی افزائش اور انہیں قربان کرنے کی تربیت جاری ہے۔ رواں برسوں میں ٹیکساس سے اسرائیل بھیجی گئی سرخ گائیوں نے عالمی سطح پر ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔

· کاہنوں (Kohanim) کی تربیت: ہارون علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کو ہیکل کی رسومات، قربانی کے طریقوں، اور مخصوص لباس پہننے کی تربیت دی جا رہی ہے۔

ب) ہیکل کی تعمیرِ نو کے ٹھوس منصوبے

· معماری کے نقشے: جدید انجینئرنگ اور قدیم نقشوں کی مدد سے ہیکل کا مکمل 3D ماڈل تیار ہے۔

· کونے کے پتھر (Cornerstone) رکھنے کی کوششیں: "ہیکل کے وفادار" بارہا وزنی پتھر لے کر حرم قدسی شریف میں داخل ہونے کی کوشش کر چکے ہیں، جسے پولیس نے روکا۔

· قربانی کی مشقیں: عیدِ فسح جیسی تہواروں پر ہیکل انسٹی ٹیوٹ حرم شریف کے قریب ہی بھیڑوں کی علامتی قربانی کی مشق کرتا ہے۔

3. یہ "فتنہ" کیوں ہے؟ (الٰہیاتی اور سیاسی تباہی)

الف) الٰہیاتی بغاوت: "خدا کو مجبور کرنا" (Forcing the End)

یہودیت کا مرکزی دھارا (تمام حَریدی اور زیادہ تر مذہبی صیہونی علما) ہیکل کی تعمیرِ نو کی ان انسانی کوششوں کو سخت ترین حرام اور "فتنہ" سمجھتا ہے۔ وجوہات یہ ہیں:

· مسیح کی آمد سے مشروط: تلمود میں واضح ہے کہ تیسرا ہیکل صرف مسیح خود تعمیر کرے گا۔ اس سے پہلے ہاتھ لگانا "جبری نجات" (Dchikat HaKetz) ہے، جس کی سخت ممانعت ہے۔

· آسمانی ہیکل کا عقیدہ: بعض راسخ العقیدہ مکاتبِ فکر (خاص طور پر حَریدی) یہ مانتے ہیں کہ تیسرا ہیکل انسانوں کا بنایا ہوا نہیں ہوگا، بلکہ آسمان سے تیار شدہ اترے گا۔ ان کے نزدیک یہ انسانی کوششیں خدا کے منصوبے میں مداخلت ہیں۔

شبیتائی زیوی کی طرح کا فریب: ہیکل کی تعمیر کا یہ جنون اسی مسیحائی ہسٹیریا کا حصہ ہے جس نے شبیتائی زیوی کے دور میں تباہی مچائی تھی۔

ب) عالمی جنگ کا خطرہ: مسجدِ اقصیٰ کا مسئلہ

یہ فتنہ صرف یہودیوں کا داخلی معاملہ نہیں کیونکہ ہیکل کی واحد ممکنہ جگہ وہی ہے جہاں آج قبۃ الصخرہ اور مسجدِ اقصیٰ قائم ہیں۔

· اسلام کے تیسرے مقدس ترین مقام کو نقصان پہنچانے کی کوئی بھی کوشش 1.8 بلین مسلمانوں کے لیے اعلانِ جنگ ہوگی۔

· پہلے سے ہونے والی کارروائیاں: 1969 میں ایک آسٹریلوی سیاح نے مسجدِ اقصیٰ کو جلانے کی کوشش کی۔ 1980 کی دہائی میں "یہودی انڈر گراؤنڈ" نامی دہشت گرد گروہ نے قبۃ الصخرہ کو بارود سے اڑانے کی منصوبہ بندی کی جسے آخری لمحے شن بیت نے ناکام بنایا۔

· موجودہ صورتحال: اسرائیلی انتہا پسند وزیر ایتمار بین گویر جیسے سیاستدان باقاعدگی سے حرم شریف میں داخل ہو کر یہودی عبادت کا مطالبہ کرتے ہیں، جو "جمودِ حال" (Status Quo) کی خلاف ورزی ہے اور حماس جیسی تنظیموں کو "الاقصیٰ طوفان" جیسی کارروائیوں کا جواز فراہم کرتی ہے۔

ج) داخلی اسرائیلی تفریق

· سیکولر اسرائیلیوں کی مخالفت: زیادہ تر سیکولر اسرائیلی اسے مذہبی جنون سمجھتے ہیں جو ملک کو تباہی کی طرف لے جائے گا۔

· ربّیوں کا فتویٰ: اسرائیل کے سابق چیف ربیوں سمیت اکثر بڑے علما نے یہودیوں کو حرم شریف میں داخل ہونے سے منع کر رکھا ہے، کیونکہ اس بات کا یقین نہیں کہ "قدس الاقداس" (Holy of Holies) کا ٹھیک مقام کہاں تھا، اور وہاں قدم رکھنے سے روحانی نجاست لگنے کا خدشہ ہے۔

· خونریزی کا خوف: مذہبی قیادت کا ایک بڑا حصہ دلیل دیتا ہے کہ ایک اینٹ بھی رکھنے کی قیمت لاکھوں یہودیوں کی جان ہو سکتی ہے، اور تورات زندگی بچانے (Pikuach Nefesh) کو تمام احکامات پر فوقیت دیتی ہے۔

4. الٰہیاتی تضاد: کیا ہم مسیح کے بغیر ہیکل بنا سکتے ہیں؟

ہیکل کی تعمیر کا یہ مطالبہ سیاسی صیہونیت کی اس بنیادی غلطی کا عکاس ہے جس کی طرف یشایاہو لیبووٹز نے اشارہ کیا تھا۔ مذہبی صیہونیت کا ایک طبقہ سمجھتا ہے کہ جیسے انہوں نے خدا کے انتظار کے بغیر ریاست بنا لی، ویسے ہی مسیح کے انتظار کے بغیر ہیکل بنا لیں گے۔ ان کے نزدیک ہیکل کی تعمیر مسیح کی آمد کا سبب بنے گی، نتیجہ نہیں۔

یہ وہ الٹی منطق ہے جسے راسخ العقیدہ مرکزی دھارا "خدا پر شرط لگانا" اور "فتنہ" سمجھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیحائی دور زبردستی نہیں لایا جا سکتا، اور ہیکل کے بغیر توبہ اور محبت کے ذریعے نجات ممکن ہے۔

نتیجہ: فوری خطرہ

ہیکل کی تعمیر کی تحریک یہودیت کا وہ "فتنہ" ہے جو محض نظریاتی یا روحانی نہیں، بلکہ جغرافیائی اور عسکری طور پر فیوز سے لگا بم ہے۔ یہ تحریک اقلیت میں ہے، لیکن اسرائیل کی موجودہ دائیں بازو کی حکومت میں اس کے ہمدرد طاقتور عہدوں پر ہیں۔

اس فتنے کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کبھی ہیکل کی تعمیر کا عملی آغاز ہوا تو یہ یہودی تاریخ کی سب سے بڑی خوشی نہیں بلکہ ایک ایسی عالمی آگ کا آغاز ہوگا جو مشرقِ وسطیٰ کو راکھ کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے "خودکش مسیحائیت" کہا جاتا ہے۔

"اصلاحِ دنیا" یعنی تکون عولام (Tikkun Olam) کے مسخ شدہ عقیدہ۔۔۔

یہودیت کے موجودہ "فتنوں" میں یہ سب سے زیادہ پرفریب اور خاموشی سے پھیلنے والا فتنہ ہے، کیونکہ یہ بظاہر ایک نہایت اخلاقی اور نیک مقصد کے روپ میں آتا ہے، لیکن راسخ العقیدہ (آرتھوڈوکس) یہودی علماء کے نزدیک یہ یہودیت کی روح کو کھوکھلا کرنے والا سب سے بڑا داخلی خطرہ ہے۔

یہ تحریف دراصل اس صدیوں پرانے تصور کو خدا اور تورات سے جدا کر کے، ایک خالصتاً سیکولر اور انسانیت پرستانہ (Humanistic) سیاسی ایجنڈے میں بدل دینے کا نام ہے۔

1. کلاسیکی تصور: "تکون عولام" کا اصل مفہوم

سب سے پہلے اصل تصور کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ تحریف کی سنگینی کا اندازہ ہو سکے۔

• لغوی معنی: "تکون" کے معنی مرمت، اصلاح یا درستگی کے ہیں، اور "عولام" کے معنی دنیا یا کائنات۔

• تورات اور تلمود میں استعمال: ابتدائی ربّیاتی ادب میں اس کا مفہوم بہت محدود اور قانونی تھا۔ اس کا مقصد معاشرتی نظام کو درست رکھنے کے لیے بعض قوانین میں ترمیم کرنا تھا، تاکہ معاشرے میں ظلم یا بدنظمی نہ پھیلے۔ مثلاً، طلاق کے قوانین میں ترمیم تاکہ عورتوں پر ظلم نہ ہو (Gittin)

قبالہ (یہودی تصوف) میں روحانی مفہوم: سولہویں صدی میں صفد کے قبالی عالم اسحاق لوریہ نے "تکون عولام" کو ایک کائناتی اور روحانی معنی دیا۔ ان کے مطابق تخلیق کے آغاز میں ایک روحانی ٹوٹ پھوٹ "شویرات) ہکیلیم" یعنی برتنوں کا ٹوٹنا) واقع ہوئی تھی، جس سے الوہی نور کے ذرات مادی دنیا میں قید ہو گئے۔ اب انسان کا فرض ہے کہ وہ تورات کے احکامات (مٹزوات) کی پابندی اور نیک نیتی کے ذریعے ان بکھرے ہوئے نورانی ذروں کو اکٹھا کرے اور دنیا کو اس کی اصل روحانی حالت میں واپس لائے۔ اس عمل کے مکمل ہونے پر مسیحائی دور آئے گا۔

اہم نکتہ: کلاسیکی "تکون عولام" میں ایندھن تورات کے احکامات تھے اور منزل خدا کی رضا اور مسیحائی نجات تھی۔ یہ انسان اور خدا کے درمیان عہد کا حصہ تھا۔

2. مسخ شدہ عقیدہ: "تورات کے بغیر مسیحائیت"

بیسویں صدی میں، خاص طور پر امریکہ میں اصلاحی (Reform) اور تعمیر نو (Reconstructionist) تحریکوں نے، اور بعد میں سیکولر یہودی دانشوروں نے، اس تصور کو ہائی جیک کر لیا اور اسے ایک خطرناک حد تک مسخ کر دیا۔

الف) خدا سے بغاوت: "انسان ہی اصلاح کرے گا"

مسخ شدہ عقیدے کی بنیاد یہ ہے کہ دنیا کی اصلاح کا ذمہ دار خدا نہیں، بلکہ خود انسان ہے، اور اس اصلاح کے لیے تورات کے احکامات کی ضرورت نہیں بلکہ جدید سیکولر اخلاقیات کافی ہیں۔ یہ ایک قسم کی "انسانی خود مختاری" کا اعلان ہے۔

ب) "عمل" سے "عقیدے" کی تبدیلی

لبرل یہودیت میں "تکون عولام" یہودیت کا مرکزی ترین پیغام بن گیا ہے، جس نے خدا، تورات اور شریعت کی جگہ لے لی ہے:

نئی تعریف: "تکون عولام" کا مطلب اب سماجی انصاف (Social)،Justice ماحولیات، صنفی مساوات، اور سیاسی سرگرمی ہے۔

• عبادت گاہ کی جگہ احتجاج: ایک بڑا طبقہ عبادت گاہ جانے، شبت (ہفتہ) منانے، کوشر کھانا کھانے یا عبادت کرنے کو غیر ضروری سمجھتا ہے، لیکن گلوبل وارمنگ کے خلاف مارچ کرنے یا بلیک لائیوز میٹر کی حمایت کو اپنا "یہودی فریضہ" قرار دیتا ہے۔

• "پروفیٹک یہودیت": یہ لوگ خود کو انبیاء کی روایت کا وارث کہتے ہیں، لیکن انبیاء کا مرکزی پیغام (خدا کی طرف لوٹو) کو حذف کر کے صرف سماجی تنقید کو باقی رکھتے ہیں۔

ج) عالمگیریت بمقابلہ یہودی شناخت
یہ مسخ شدہ عقیدہ یہودیوں کی خصوصی شناخت (Chosenness) کو ختم کر کے اسے ایک عالمی انسانیت پسندی میں ضم کر دیتا ہے۔ ان کے نزدیک ہولوکاسٹ سے سیکھا گیا سبق یہ نہیں کہ یہودیوں کو ایک مضبوط ریاست کی ضرورت ہے، بلکہ یہ ہے کہ ہمیں تمام مظلوموں کے لیے لڑنا چاہیے، چاہے وہ یہودی ریاست کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔

3. یہ "فتنہ" کیوں ہے؟ (آرتھوڈوکس نقطہ نظر)
راسخ العقیدہ یہودیت اسے صرف ایک اختلافِ رائے نہیں بلکہ ایک ہلاکت خیز روحانی بیماری سمجھتی ہے، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

الف) "بت پرستی" کی جدید شکل (Avodah Zarah)
جب انسان اپنی اخلاقی سمجھ کو خدا کے احکامات پر ترجیح دیتا ہے، تو وہ دراصل اپنی انا (Ego) کی پرستش کر رہا ہوتا ہے۔ مذہبی علما کے نزدیک یہ "تورات کے بغیر اصلاح" کا نعرہ وہی ہے جو حوا کے کان میں سانپ نے پھونکا تھا: "تم خدا کی طرح بن جاؤ گے، نیک و بد کو خود جاننے والے۔" یہ انسان کو خدا کا شریک بنا دیتا ہے، جو توحید کے بنیادی اصول کی خلاف ورزی ہے۔

ب) یہودیت کو "خالی خول" میں بدلنا
یہ تصور یہودیت کو ایک مذہب سے نکال کر محض ایک "سماجی انصاف کی تحریک" بنا دیتا ہے۔ جب تورات، شبت، اور کوشر کی جگہ سیاسی ایجنڈا لے لیتا ہے، تو اگلی نسل کے پاس یہودی رہنے کی کوئی مذہبی وجہ نہیں بچتی۔ نتیجتاً، یہ فتنہ تیزی سے انضمام (Assimilation) اور بین المذاہب شادیوں کا باعث بنتا ہے، جسے آرتھوڈوکس طبقہ "خاموش ہولوکاسٹ" کہتا ہے۔

ج) یہودی ریاست اور قوم سے غداری
اس مسخ شدہ عقیدے کی سب سے خطرناک عملی صورت اسرائیل مخالف سرگرمیوں میں نظر آتی ہے۔ "جیوش وائس فار پیس" یا "اِف ناٹ ناؤ" جیسی تنظیمیں "تکون عولام" کا حوالہ دے کر اسرائیل کا بائیکاٹ کرتی ہیں اور فلسطینیوں کے ساتھ یکجہتی کو یہودی اخلاقیات کا تقاضا قرار دیتی ہیں۔
آرتھوڈوکس طبقہ اسے "خود سے نفرت" (Self-Hating Jew) کی بدترین شکل اور اپنی ہی قوم کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مترادف سمجھتا ہے۔

وہ دلیل دیتے ہیں کہ جن لوگوں نے حقیقت میں "تکون عولام" کیا، جیسے ربّی، انہوں نے سب سے پہلے اپنی قوم کی بقا کو یقینی بنایا، نہ کہ دشمنوں کو اخلاقی جواز فراہم کیا۔

د) "جھوٹی مسیحائیت" کا فریب

یہ تصور ایک ایسی "جھوٹی نجات" کا وعدہ کرتا ہے جس میں مسیح اور خدا کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ انسان سے کہتا ہے کہ تم خود ہی قانون سازی اور احتجاج کے ذریعے جنت زمین پر لا سکتے ہو۔ یہ وہی سراب ہے جس نے بیسویں صدی کی کمیونسٹ اور فسطائی تحریکوں کو جنم دیا، اور آرتھوڈوکس یہودیت اسے انہی تباہ کن نظریات کا تسلسل مانتی ہے۔

4. نتیجہ: مذہب کے لبادے میں لادینیت

یہودیت میں "اصلاحِ دنیا" کے مسخ شدہ عقیدے کو اس لیے سب سے خطرناک "فتنہ" کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دین کے لبادے میں الحاد ہے۔ یہ ایک ایسا نوجوان تیار کرتا ہے جو خود کو بہت اخلاقی سمجھتا ہے، لیکن اس کی اخلاقیات کی جڑیں کوہِ سینا کے عہد میں نہیں بلکہ جدید لبرل سیاست میں پیوست ہیں۔

یہ بحث محض علمی نہیں بلکہ یہودی بقا کی جنگ ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہودیت زندہ رہے گی ایک ایسے "عہد" کے طور پر جو خدا، تورات اور قومِ اسرائیل کے گرد بندھا ہے، یا پھر یہ تحلیل ہو کر ایک ایسی مبہم "سماجی انصاف کی مہم" میں بدل جائے گی جس کا موسیٰ علیہ السلام کے پیغام سے کوئی تعلق نہیں؟ یہی وہ تلخ تضاد ہے جسے آرتھوڈوکس طبقہ "اصلاحِ دنیا" کے نام پر پھیلنے والا فتنہ قرار دیتا ہے۔

1. ہولوکاسٹ بطور "فتنہ": کیوں؟

یہودی تاریخ مصائب سے بھری ہے، لیکن ہولوکاسٹ (عبرانی میں "شواہ" یعنی تباہی) ان سب سے مختلف ہے کیونکہ یہ محض ایک قومی تباہی نہیں تھی بلکہ ایک صنعتی، منظم اور نظریاتی نسل کشی تھی جس نے چھ ملین یہودیوں کو صرف اس جرم میں قتل کیا کہ وہ یہودی تھے۔ یہودیوں نے صدیوں تک عہدِ الٰہی کے تحت خدا کو اپنا محافظ اور نجات دہندہ مانا۔ لیکن آشوٹز اور ٹریبلنکا کے بھٹکوں نے اس یقین کو جلا دیا۔

اس "فتنے" کی نوعیت تین جہتوں پر مشتمل ہے:

الف) الٰہیاتی فتنہ: "خدا کہاں تھا؟" (Theodicy)

یہ سب سے گہرا اور لاعلاج زخم ہے۔ یہودی الٰہیات میں خدا کو "تاریخ کا مالک" اور "عہد کا پابند" مانا جاتا ہے۔ لیکن جب ڈیڑھ ملین بچوں کو زندہ جلا دیا گیا تو سوال اٹھا:

• عہد کا ٹوٹنا: کیا خدا نے اپنا وعدہ چھوڑ دیا؟ اگر "منتخب قوم" ہونے کا مطلب یہ تھا، تو کیا یہ انتخاب ایک لعنت ہے؟

• الٰہی انصاف کا انجام: قدیم یہودی عقیدے کے مطابق مصائب گناہوں کی سزا ہیں۔ لیکن ہولوکاسٹ میں مارے جانے والوں میں لاکھوں معصوم بچے اور متقی علما شامل تھے۔ کیا اس کی کوئی ایسی توجیہہ ہو سکتی ہے جو "قاتل خدا" کے تصور سے بچا لے؟

• خاموشی: بہت سے یہودیوں نے فیصلہ کیا کہ آشوٹز کے بعد خدا یا تو مر چکا ہے یا اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ "غم اور غصے کی لادینیت" ہے جس نے لاکھوں کو مذہب سے دور کر دیا۔

ب) شناخت کا فتنہ: "یہودی" ہونے کا مطلب

ہولوکاسٹ نے یہودی شناخت کو نسلی طور پر جکڑ دیا۔ نازیوں نے مذہب تبدیل کرنے والوں یا ملحدوں کو بھی "نسلی یہودی" ہونے کی بنا پر گیس چیمبر میں بھیجا۔ اس کے نتیجے میں:

• مذہب سے نسل کی طرف منتقلی: بہت سے یہودیوں کے لیے "یہودی ہونا" اب خدا یا تورات سے نہیں بلکہ ہولوکاسٹ کی مشترکہ یادداشت اور "دوبارہ کبھی نہیں" (Never Again) کے عزم سے عبارت ہے۔

• سیکولر صیہونیت کی جیت: ہولوکاسٹ نے اس دلیل کو طاقت دی کہ صرف ایک یہودی ریاست اور فوج ہی یہودیوں کو بچا سکتی ہے، خدا یا مذہبی احکامات نہیں۔ یہ سوچ یہودی تاریخ کا ایک عظیم انقلاب تھی اور مذہبی حلقوں کے نزدیک "خدا کی خود مختاری" سے انکار کا بہت بڑا فتنہ۔

ج) اخلاقی فتنہ: شکار سے جابر تک کا سفر

ہولوکاسٹ نے یہودیوں کو اخلاقی طور پر ایک ناقابل جواب مقام پر لا کھڑا کیا۔ "شکار" (Victim) ہونے کی اخلاقی بالادستی کا یہ احساس سیاسی صیہونیت کے ناقدین کے لیے ایک فتنہ بن گیا:

• "ہولوکاسٹ کا استحصال": بہت سے ناقدین کہتے ہیں کہ اسرائیل ہولوکاسٹ کو ایک "اخلاقی ڈھال" کے طور پر استعمال کرتا ہے تاکہ فلسطینیوں کے خلاف اس کی پالیسیوں پر تنقید کو "یہود دشمنی" قرار دیا جا سکے۔

• یہودی اخلاقیات کا تضاد: جب ایک بار گیس چیمبرز کا شکار ہونے والی قوم کی فوج دوسری قوم پر فوجی قبضہ برقرار رکھے تو کیا یہ وہی اخلاقیات ہے جو تورات نے سکھائی تھیں؟ یہ بحث خود اسرائیل کے اندر دانشوروں کو "قبضے کے فتنے" سے دوچار کرتی ہے۔

2. ہولوکاسٹ کے بعد کے مذہبی ردِ عمل (فتنے سے نمٹنے کی ناکام کوششیں)
یہودی مفکرین نے اس "فتنے" کا جواب دینے کی کوشش کی، لیکن ان کے جوابات خود متنازعہ ہیں۔۔

الف) "خدا نے اپنا چہرہ چھپا لیا" (Hester Panim)

یہ ایک کلاسیکی جواب ہے جسے راسخ العقیدہ طبقے نے پیش کیا: ہولوکاسٹ خدا کی غیر موجودگی کا ثبوت نہیں بلکہ "چہرے کے چھپانے" کا اعلان ہے۔ خدا نے انسان کو مکمل آزادی دے رکھی ہے، اور نازیوں نے اس آزادی کا غلط استعمال کرتے ہوئے یہ قتلِ عام کیا۔ لیکن ناقدین پوچھتے ہیں: کیا ایک باپ کا اپنے بچوں کو آگ میں جلتے دیکھ کر خاموش رہنا "چہرہ چھپانا" ہے یا بے رحمی؟

ب) "مسیح کی ولادت کے درد" (Chevlei Mashiach)
کچھ مذہبی صیہونی حلقوں نے ہولوکاسٹ کو "مسیحائی دور سے پہلے کا لازمی شدید درد" قرار دیا، اور اسے اسرائیل کے قیام سے جوڑ دیا۔ ان کے نزدیک آشوٹز کی راکھ سے اسرائیل کی ریاست نے جنم لیا۔ یہ نظریہ اکثریت کے لیے ناقابلِ قبول ہے کیونکہ یہ چھ ملین کی موت کو "قیمت" بنا دیتا ہے۔

ج) "انسانیت کے خلاف گناہ" (پروفیٹک رد)
لبرل یہودی مفکرین (خاص طور پر رچرڈ روبنسٹائن اور بعد میں ڈیوڈ ہارٹمین) نے اعلان کیا کہ ہولوکاسٹ نے "تاریخ کے مالک خدا" کے تصور کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اب عہد کا محور خدا نہیں بلکہ انسانیت ہے، اور ہولوکاسٹ کا اصل سبق یہ ہے کہ ہمیں کسی بھی مظلوم کے ساتھ ہونے والے ظلم کو روکنا ہے۔ یہی وہ سوچ ہے جس نے "تکون عولام" کے مسخ شدہ عقیدے کو جنم دیا۔

3. ہولوکاسٹ کا "فتنہ" اور موجودہ مباحث کا ربط
ہولوکاسٹ وہ سیاہ دھاگہ ہے جس نے آپ کے پوچھے گئے تمام "فتنوں" کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے:

- سیکولرازم: ہولوکاسٹ نے ثابت کیا کہ مذہبی احکامات کی پابندی کوئی جسمانی تحفظ فراہم نہیں کرتی، اس لیے لاکھوں مذہب چھوڑ گئے۔
- سیاسی صیہونیت: اس نے یہ دلیل دی کہ صرف طاقت ہی بقا کا ضامن ہے، اور اس طاقت نے قبضے کا اخلاقی بحران پیدا کیا۔
- مسیح موعود: ہولوکاسٹ کے شدید دکھ نے چاباد جیسی مسیحائی تحریکوں کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ مسیح اب آنے والا ہے، کیونکہ اس سے زیادہ تکلیف ممکن نہیں۔
- ہیکل کی تعمیر: کچھ انتہا پسند ہولوکاسٹ کو وہ "آخری قربانی" مانتے ہیں جس کے بعد ہیکل کی تعمیر لازمی ہے۔

4. نتیجہ: ایک لاعلاج زخم

ہولوکاسٹ یہودیت کا وہ "فتنہ" ہے جس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں۔ یہ خدا پر ایمان اور تاریخ کے سامنے کھڑا ایک ایسا سوالیہ نشان ہے جو مٹتا نہیں۔

· راسخ العقیدہ طبقہ اسے خاموشی اور صبر سے برداشت کرنے کی تلقین کرتا ہے، اس امید پر کہ مسیحائی دور میں سب واضح ہو جائے گا۔

· جبکہ سیکولر طبقے نے خدا پر یقین کو خیرباد کہہ کر "کبھی نہ دہرانے" کے انسانی عزم کو اپنا نیا مذہب بنا لیا ہے۔

یہی دو متوازی ردِ عمل دراصل جدید یہودیت کے مرکز میں موجود وہ دراڑ ہے جسے "ہولوکاسٹ کا فتنہ" کہا جاتا ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جس نے یہودیوں کو بتایا کہ خدا خاموش ہے، اور اب بقا کا دارومدار ان کے اپنے ہاتھوں میں ہے — اور اسی نتیجے نے جدید یہودیت کے تمام سیاسی اور روحانی بحرانوں کو جنم دیا ہے۔

Amir Saqlain